

کمال ابدالی

اردو کے رسم الخط کا مسئلہ

اردو کے رسم الخط میں تبدیلی کی تجویز ڈیڑھ صدی سے ہوتی آئی ہے۔ ہندوستان میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو اردو کو دیوناگری حروف میں لکھنے کے حق میں تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح اردو کو ایک برتر رسم الخط میسر ہوگا، ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتفاق بڑھے گا، اور اردو کی تعلیم اور اردو میں تصنیف و تالیف میں دونوں کی شرکت اردو کی مزید ترقی کا باعث ہوگی۔ پھر انیسویں صدی کے آخری ربع سے اردو کے لیے لاطینی حروف استعمال کرنے کی تجویز پیش ہونے لگی۔ مختلف وقتوں میں کئی ادیبوں اور دانشوروں نے اس تجویز کی مدلل حمایت یا مخالفت کی۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں سرکاری طور پر یہ مسئلہ پہلی دفعہ ایوب خان کے دور میں اٹھا۔ انہوں نے پاکستان میں تعلیمی اصلاحات کے لیے ایک کمیشن قائم کیا تھا۔ اس کمیشن کو انہوں نے یہ ذمہ داری بھی سونپی کہ وہ اردو اور بنگلہ کے لیے لاطینی حروف پر مبنی ایک مشترک رسم الخط کے امکان کا جائزہ لے۔ لیکن پاکستانی قوم اس بات کے بارے میں سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں تھی، چنانچہ کمیشن نے اس مسئلے پر غور کرنے سے معذرت کر لی۔

صوتی (فونیٹک) رسم الخط کا اصل مقصد یہ ہے کہ علامات کے ذریعے زبان کے تلفظ کو رقم کیا جائے۔ یہ ترقیم جتنی بااصول، منضبط، اور سادہ ہوگی، زبان کا سیکھنا اور استعمال کرنا اتنا ہی آسان ہوگا۔ صوتی معیار سے ایسے رسم الخط کو پسندیدہ قرار دیا جاتا ہے جس میں ہر آواز کے لیے صرف ایک املا مخصوص ہو اور ہر لکھے ہوئے لفظ کا صرف ایک تلفظ ممکن ہو۔ رسم الخط میں ایک اور خوبی یہ شمار ہوتی ہے کہ مختلف حروف کی شکلیں حتیٰ الامکان ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور ملتی جلتی شکلیں کم سے کم ہوں تاکہ حروف کو پہچاننے میں آسانی ہو۔ تحریر کی خوب صورتی

اور جاذبیت کا شمار بھی رسم الخط کی خوبیوں میں ہے، لیکن جمالیاتی پہلو کو افادیت پر ہرگز سبقت نہیں دی جا سکتی۔ اردو کے لیے رسم الخط کی صوتی ترقیم کے مقصد کو دیوناگری رسم الخط جس اتم درجے سے پورا کرسکتا تھا کوئی اور رسم الخط نہیں کرتا، کیونکہ اردو کے لیے اس رسم الخط میں حرکات، اعراب، اور املا کے نئے ضابطے بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اردو کے کچھ عربی الاصل حروف (مثلاً خ، ز، ق) دیوناگری میں نہیں تھے۔ لیکن کافی عرصے سے ہندی کے حروف پر علامتیں ڈال کر وہ بھی دیوناگری حروف تہجی کا حصہ بنا دیے گئے ہیں۔ دیوناگری کو اختیار کرنا اگر دوسرے اسباب کی بنا پر ممکن نہیں تو پھر ایک اور متبادل لاطینی رسم الخط ہے۔ لاطینی حروف بھی دنیا بھر میں معروف ہیں۔ اور ان کو استعمال کرتے ہوئے بھی اردو کے لیے (چند حروف کی آوازوں کے لیے ضابطے مقرر کر کے) صوتی اعتبار سے بہت تشفی بخش رسم الخط بنایا جا سکتا ہے۔

عربی حروف پر مبنی اردو کا موجودہ رسم الخط انتہائی ناقص ہے۔ اس کا بنیادی نقص یہ ہے کہ زبان میں اعراب اور حروفِ علت کی جو آوازیں ہیں وہ موجودہ حروف کے ذریعے متمیز نہیں ہو سکتیں۔ پانچ حروفِ علت کی آوازوں یعنی آ، اے، ای، او، اُو کے لیے تین حروف ہیں، یعنی 'ا'، 'و'، اور 'ی'۔ اردو میں حرف 'ی' کی مجہول آواز کے لیے 'ے' ہے، مگر یہ صرف لفظ کے آخر میں آتا ہے۔ اس لیے جب حرف 'ی' لفظ کے بیچ میں آئے تو یہ نہیں معلوم ہو تا کہ اس کی آواز معروف ہے یا مجہول۔ اور 'و' کے معروف یا مجہول ہونے کا اندازہ صرف لفظ کی شکل دیکھ کر کبھی نہیں کیا جا سکتا۔ اعراب یعنی زبر، زیر اور پیش کا مقصد حروفِ علت کی مختصر آوازوں کو بیان کرنا ہے۔ مگر موجودہ رسم الخط میں کچھ دوسرے اعراب سے وہ کام بھی لیا جاتا ہے جو حقیقتاً حروف کا ہے۔ جیسے کھڑا زبر، زیر اور الٹا پیش حروفِ علت کا متبادل بنادیے گئے ہیں۔ تشدید اور تنوین کے ذریعے ایک حرف کی کفایت کے لیے رسم الخط کو پیچیدہ کر دیا گیا ہے۔ سادہ زبر، زیر، پیش کے علاوہ زیادہ تر اعراب عربی زبان کے قواعد سے آئے ہیں جو اردو کے لیے بے معنی ہیں۔ اور ان کا نتیجہ اردو کے رسم الخط میں بد نظمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اعراب غیر مرئی بلاؤں کی طرح اردو کی

تحریر پر چھائے تو رہتے ہیں لیکن نظر نہیں آتے۔ اعراب کے نہ لکھے جانے کے رواج کی وجہ سے لفظ کا صحیح تلفظ اس کی تحریر سے نہیں اخذ کیا جا سکتا۔ اسی لیے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی لفظوں کا غلط تلفظ بہت عام ہے۔ گویا رسم الخط کا جو اصل مقصد ہے وہی اردو کے عربی رسم الخط میں فوت ہو گیا ہے۔

مزید خرابی یہ ہے کہ اردو نے ایک ایسے رسم الخط کا، جو پہلے ہی سے ناقص ہے، ایک بہت ہی ناقص اسلوب اختیار کیا ہے۔ عربی کے حروف استعمال کرتے ہوئے بھی تحریر کے کئی اسلوب ہیں، جیسے نسخ، نستعلیق، شکستہ، ثلث، رقعه، وغیرہ۔ چونکہ یہ اسلوب آپس میں خاصے مختلف ہیں، اس لیے عام طور پر ان میں ہر ایک کو علیحدہ رسم الخط گنا جاتا ہے۔ عربی، فارسی، اور سندھی میں طباعت کے لیے نسخ استعمال ہوتا ہے۔ مگر اردو طباعت کے لیے اب زیادہ تر نستعلیق استعمال ہوتا ہے۔ عربی رسم الخط کی تمام کمزوریاں نستعلیق کو ورثے میں ملی ہیں۔ لیکن اس میں روایت اور جمالیات کے نام پر اور خرابیاں بھی جمع کر دی گئی ہیں جو نسخ میں نہیں ہیں۔ ان کا بیان آگے ہوگا۔

انیسویں صدی کے اوائل ہی سے انگریزوں کی کوشش سے ہندوستان میں طباعتی پریس قائم ہوئے۔ اردو میں اس طرح جب پہلی دفعہ مشینی طباعت شروع ہوئی تو اس کے لیے نسخ استعمال ہوا۔ لیکن صدی کے وسط سے لیتھو گرافی کا طریقہ وجود میں آیا، جس کے ذریعے ہاتھ کی لکھائی کو چھاپا جا سکتا تھا۔ اس زمانے سے اردو میں دوبارہ نستعلیق واپس آگیا۔ ہندوستان بلکہ دنیا بھر کی زبانوں نے گوٹن برگ کا طباعتی طریقہ اپنا لیا، جس میں دھات کے بنے ہوئے حروف جوڑ کر عبارت کی تشکیل کی جاتی تھی۔ یہ کام (کمپوزیشننگ) ٹائپ رائٹر نما مشینوں پر ہوتا تھا جن پر بیٹھ کر ٹائپ کرنے والے کمپوزیٹر کہلاتے تھے۔ ان مشینوں کی وجہ سے طباعت بڑی تیز رفتاری سے ہوتی تھی۔ لیکن اردو دان مصر سے کہ نستعلیق کے سوا کچھ اور دیکھنا انہیں گوارا نہیں ہے۔ اس لیے روز چھپنے والے اخباروں کے پریس میں جہاں دوسری زبانوں کے لیے تھوڑے سے کمپوزیٹر کافی ہوتے تھے، وہاں رات بھر

میں اردو کا اخبار تیار کرنے کے لیے کاتبوں کی ایک پوری فوج کام کرتی تھی۔

کمپوزینگ مشینیں اور پریس صنعتی پیمانے کی طباعت میں کام آتے تھے۔ لیکن دفاتروں اور گھروں کے لیے ٹائپ رائٹر ایجاد ہوئے، اور ان مشینوں میں مستقل ترقی ہوتی رہی۔ مثلاً بہت دنوں تک ان میں حروف مشین سے جڑے ہوئے ہوتے تھے۔ پھر ایسے ٹائپ رائٹر ایجاد ہوئے جن میں حروف کا سیٹ ٹائپ کرنے کے دوران بدلا جا سکتا تھا۔ ٹائپ رائٹر مشینیں جیسے ہی ایجاد ہوئیں ویسے ہی وہ ساری دنیا کی زبانوں کے لیے استعمال ہونے لگیں۔ نسخ کے لیے اگرچہ بہت سی کلیدوں کی ضرورت ہوتی تھی مگر پھر بھی اس کے لیے ٹائپ رائٹر بنا لیے گئے، اور نسخ رسم الخط میں عربی اور فارسی کی کتابت کے لیے ٹائپ رائٹر عام ہو گئے۔ اردو میں بھی نسخ، جسے ٹائپ کا حرف کہتے تھے، کے استعمال کی اکا دکا کوششیں ہوئیں۔ کئی اداروں نے ادبی اور درسی کتابیں چھاپیں۔ مگر اردو قارئین کی طرف سے نہ صرف یہ کہ ایسی کوششوں کی کوئی قدر نہیں ہوئی، بلکہ ٹائپ کی لکھائی کے ساتھ مخاصمانہ سلوک رہا۔ اس طرح اردو نے نستعلیق کی اندھی محبت میں ڈیڑھ سو سال کی طباعت کی ترقی اور ایجاد کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔

کمپیوٹروں کے عام ہونے کے بعد ۱۹۷۰ کی دہائی میں نسخ عبارت کی خودکار ترتیب دینے کا طریقہ ایجاد ہوا۔ نسخ میں ہر حرف کی زیادہ سے زیادہ چار شکلیں ہوتی ہیں، اور لفظ کے اندر ہر حرف کی صحیح شکل اس حرف کے سیاق و سباق سے متعین ہو جاتی ہے۔ عربی کے ٹائپ رائٹروں میں ہر حرف کی تین یا چار شکلوں کی علیحدہ علیحدہ کلیدیں ہوتی تھیں۔ کمپیوٹر سے تحریر کے لیے عربی کے ہر حرف کے لیے صرف ایک کلید کافی تھی، اس لیے ایک سو کے قریب کلیدوں والے بورڈ جو مغربی زبانوں کے لیے بنے تھے وہ عربی ابجد کے لیے بھی کام آسکتے تھے۔ اس طرح کمپیوٹر پر عربی حروف میں کتابت اور طباعت بھی آسان ہو گئی، اور عربی، فارسی وغیرہ میں ورڈ پراسسنگ (کمپیوٹر کے ذریعے عبارت کی ترتیب و تدوین) عام ہو گئی۔ اردو کے کچھ اخباروں، اور رسالوں نے بھی، نسخ میں اردو مطبوعات چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور کچھ اردو قارئین بھی با دلِ ناخواستہ اور

انتہائی اکراہ کے ساتھ نسخ پڑھنے لگے۔ لیکن 1980 کے قریب نستعلیق عبارت کو کمپیوٹر سے چھاپنے کا طریقہ نکل آیا۔ اس کو اردو کی عظیم الشان ترقی سمجھا گیا، اور اردو دانوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ آخر اردو کے اچھے دن واپس آگئے ہیں۔ اس نئی بات سے اردو دانوں کو گویا نسخ کے قید خانے سے رہائی ملی۔ نسخ میں طباعت جاری رکھنے والے رسالوں کی مانگ ختم ہو گئی۔ لہذا وہ یا تو بند ہو گئے یا انہوں نے بھی زندہ رہنے کے لیے نستعلیق میں طباعت شروع کردی۔ غرض اردو کی طباعت بلا استثنا نستعلیق میں ہونے لگی۔ اب نسخ مکمل طور پر اردو بدر ہو گیا ہے، اور اردو اور نستعلیق کو یک جان دو قالب سمجھا جاتا ہے۔

اردو دانوں میں یہ خیال عام ہے کہ خوبصورتی میں نستعلیق خط کا کوئی اور رسم الخط مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ بفرض محال یہ صحیح ہو تب بھی یہ قابلِ غور ہے کہ رسم الخط کا جمالیاتی پہلو چاہے کتنا ہی اہم ہو، عملی اور افادی پہلو اور زیادہ اہم ہے۔ دوسرے یہ کہ خوشنویسی اور کتابوں کی تزئین کا شوق اردو تک محدود نہیں۔ ہر زبان میں اور ہر رسم الخط میں انتہائی خوشخط اور مزین نسخے ایسے مل جائیں گے جنہیں فنونِ لطیفہ کے اعلیٰ ترین نمونوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ دوسری زبانوں میں فونٹ اور تحریر کے طریقوں کا تنوع اور نئے تجربوں کی بہتات دیکھنے کے بعد اردو کی کمپیوٹر کی کتابت منجمد اور مردہ لگتی ہے۔ مختلف ناموں سے جو نستعلیق فونٹ دستیاب ہیں وہ بڑی حد تک یکساں ہیں۔ پھر دوسری زبانوں کے ایک ہی فونٹ میں باریک، جلی، تنگ، کشادہ، ترچھی، ڈہری، سایہ، آؤٹ لائن، وغیرہ جو قسمیں ہوتی ہیں، نستعلیق میں ویسی قسموں کا ڈیزائن بھی مشکل ہے۔ نستعلیق کی ساخت ایسی ہے کہ ذرا سے تبدل اور تغیر سے نستعلیق نستعلیق نہیں باقی رہتا۔

بہر صورت جو لوگ نستعلیق کو بہت خوب صورت طریقِ تحریر سمجھتے ہیں انہیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ رسم الخط کا اصلی مقصد آرٹ فارم (art form) کی نمائش نہیں بلکہ خیالات کا ایصال اور ترسیل ہے۔ رسم الخط کو صرف اشرافیہ کی نظروں کی تسکین کے لیے محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ تمام عوام کو اس کا فائدہ پہنچنا چاہیے۔ جیسا کہ پہلے ہی

بیان کیا گیا ہے، رسم الخط کا اصلی مقصد زبان کی تمام آوازوں کو تحریر میں پیش کرنا ہے۔ اس عمل کا طریقہ جتنا سادہ اور آسان ہوگا، اس زبان کے بولنے والوں میں پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت اتنی ہی زیادہ بڑھے گی اور ان کے ملک میں اتنی ہی زیادہ تعلیم پھیلے گی۔ اس مقصد کے لیے بہت سی قوموں نے اپنی زبان کا رسم الخط چننے میں سادگی کو ترجیح دی ہے۔ مثال کے طور پر جرمنی کو لیجیے۔ جرمن زبان کے لیے دوسری جنگِ عظیم کے زمانے تک حروف کی 'فراکتور' شکلیں استعمال ہوتی تھیں جو اپنی جاذبیت کی وجہ سے آج تک نہ صرف جرمن میں بلکہ انگریزی زبان تک میں ناموں کی تختیوں اور شہ سرخیوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ لیکن جرمن قوم نے روزمرہ کے استعمال کے لیے سادہ لاطینی حروف اختیار کر لیے۔ اس میں حروف کی شکلیں سادہ تھیں اور ملتی جلتی شکلیں بہت کم تھیں۔ اور ہمسایہ ملکوں سے رسم الخط مشترک ہو جانے کی وجہ سے جرمنی ان کی طباعت، اشاعت، تعلیم وغیرہ کی ترقی سے بھی مستفید ہونے لگا۔

حقیقت یہ ہے کہ نستعلیق نہ تو اردو کی ساری ضروریات پوری کرتا ہے اور نہ ہی اب تک کمپیوٹر پر صحیح طور سے کام کرتا ہے۔ ۱۹۸۰ سے اب تک یعنی تیس سال سے اردو کے لیے کمپیوٹر پر کی جانے والی تقریباً ساری محنت نستعلیق کے پروگراموں کی غلطیاں درست کرنے میں صرف ہو رہی ہے۔ کیونکہ کمپیوٹر ابھی تک اس معیار کی تحریر نہیں بنا سکتے جو ہمارے خوشنویسوں کا معمول تھا۔ مثلاً اردو کے جس فونٹ کو کشیدہ نستعلیق کا نام دیا گیا ہے وہ نستعلیق خطاطی کا بدصورت ترین نمونہ ہے۔ کمپیوٹر سے اردو نستعلیق کی طباعت میں لفظوں کے انفرادی حروف کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ بلکہ جن الفاظ کی شکلیں پہلے سے کمپیوٹر کے ذخیرے میں محفوظ ہیں وہ پوری پوری شکلیں زیرِ ترتیب سطر میں منتقل کی جاتی ہیں۔ البتہ اگر کوئی مطلوبہ لفظ فونٹ کی ڈکشنری میں موجود نہ ہو تو پھر اس صورت میں انفرادی حروف کو جوڑ کر لفظ بنانے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس کوشش کا نتیجہ عام طور پر بھدا ہوتا ہے، کیونکہ نستعلیق کے پروگراموں میں ابھی تک حروف سے الفاظ بنانے کے عمل میں اچھے کاتبوں جیسی صلاحیت نہیں پیدا کی جا سکی ہے۔

ادھر جتنی تحقیق کمپیوٹر کے ذریعے دوسری زبانوں کے لیے ہوئی یا ہو رہی ہے اس کا ہدف زیادہ تر نئے اور اہم مسائل ہیں، مثلاً خودکار حرف شناسی، عبارتوں کا تجزیہ، عبارت کے مفہوم کا خودکار اخذ، اشاریہ سازی، حسابی لسانیات۔ اردو ایسی تحقیق سے یکسر بے بہرہ ہے۔ اگر لاطینی رسم الخط نہیں بلکہ صرف عربی رسم الخط کا نسخہ اسلوب ہی اختیار کر لیا جائے تو ترقی کی بہت سی راہیں اردو پر کھل جائیں گی اور جس کام کی ہم میں خود استطاعت نہیں اس میں ہم دوسروں کے کام سے مستفید ہو سکیں گے۔ ورنہ جس طرح نستعلیق نے ہمیں میکانیکی طباعت کی ترقی کے فوائد سے محروم رکھا تھا اسی طرح کمپیوٹر کے استعمال سے دوسری زبانیں جو فائدہ اٹھا رہی ہیں اور آئندہ اٹھائیں گی نستعلیق ہم کو ان سے بھی بڑی حد تک بے فیض رکھے گا۔

اردو کی ترقی اور قبول عام میں بہت سی چیزیں مانع ہیں۔ ان میں ایک اردو کا رسم الخط بھی ہے۔ بے حد قلق کے ساتھ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ نستعلیق رسم الخط کی خامیوں کی وجہ سے اردو پڑھنے والوں کی تعداد بجائے پڑھنے کے روز بروز کم ہوتی جائے گی۔ اور جیسے ہی اگلی ایک دو اردو دان نسلیں نستعلیق کو سینے سے چمٹائے ہوئے دفن کی جائیں گی، اردو بھی انہی کی قبر میں جا کر سو جائے گی۔

اب نستعلیق کے چند مسائل مثالوں سے واضح کیے جاتے ہیں۔

۱۔ نستعلیق عبارت پڑھنے میں الفاظ کی ملتی جلتی شکلوں کی وجہ سے غلطیوں کا امکان بہت ہوتا ہے۔ جو لوگ برسوں سے نستعلیق کے عادی ہیں وہ سیاق و سباق سے صحیح لفظ سمجھ جاتے ہیں۔ لیکن مبتدی سیاق و سباق کا ایسا فائدہ نہیں اٹھا سکتے:

رستے میں پڑی ہے۔ (یہاں تیسرا لفظ کیا ہے؟)

رستے میں پڑی ہے۔ (پڑی)

رستے میں پڑی ہے۔ (پڑی)

۲۔ بعض اوقات دو مختلف لفظوں کے شوشے اور نقطے اتنی ملتی جلتی جگہ پر پڑتے ہیں کہ ان دونوں میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے۔ لفظوں کے فرق کو ان کی نستعلیق اور نسخ شکلوں میں دیکھیے۔

چنچ چنچ
چنچ چنچ
چنچ چنچ
نینچ نینچ

۳۔ حروف کے اجزا اور نقطے اکثر علیحدہ نہیں ہو پاتے:

چچچ چچچ چچچ
چچچ چچچ چچچ

۴۔ حرف کی 'کرسی' کا مسئلہ۔ سطر کی تحتانی افقی لکیر سے حرف کی اونچائی کو اس حرف کی کرسی کہا جاتا ہے۔ نستعلیق عبارت میں ہر لفظ کا پہلا حرف اونچی کرسی پر بٹھایا جاتا ہے (لکھا جاتا ہے)، اور پھر اگلے حروف یکے بعد دیگرے بالعموم نیچی ہوتی ہوئی کرسیوں پر بٹھائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخری حرف سطر کی تحتانی سطح پر آ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات لمبے الفاظ کے شروع کے حروف سطر کی نچلی سطح سے اتنے اونچے ہوتے ہیں کہ اوپر کی سطر سے لڑ جاتے ہیں۔ اگر اس موقع پر سطر وں کے بیچ کا فاصلہ کتابت کے پروگرام کے متعینہ فاصلے سے زیادہ نہ رکھا جائے تو ایسے حروف اکثر نظر بھی نہیں آتے۔

سکنج سکجب سکجب سکجب
کھٹمٹھا منجھلی میتھیمٹکس کیلستھینکس

سکنج سکجب سکجب سکجب سکجب
کھٹمٹھا منجھلی میتھیمٹکس کیلستھینکس

حرف کی کرسی کے مسئلے سے پیدا شدہ ایک اور مثال حاضر ہے۔ پاکستان میں اردو کے لیے قائم اعلیٰ ترین قومی ادارے کی سرکاری ویب گاہ

کی اس جدول میں نستعلیق کا کرشمہ ملاحظہ کیجیے۔ سطر ۲۱ میں لفظ خانے کے اوپر نکل گیا ہے۔ ویب گاہ کا لنک یہ ہے:

<http://nla.gov.pk/TerminologyBooks.php>

۱۷۔	جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن	قانونی لغت	پی ایل ڈی پبلشرز، لاہور
۱۸۔		فرہنگ درسیات	اردو سائنس بورڈ، لاہور
۱۹۔	حضرت شاہ سید محمد ذوق	سرولہراں	محفل ذوق، کراچی
۲۰۔	ڈاکٹر ایم اشرف	لسانی لغات (ہسپانوی، اردو، انگلش)	مکتبہ انتریش، لاہور
۲۱۔	دکتر ساجد اللہ سمیعی	فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی	مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد
۲۲۔	آفتاب اقبال	فرہنگ ترقی	این جی اور یورس سینٹر، آغا خان فاؤنڈیشن کاپرو جیکٹ
۲۳۔	حکیم غلام نبی	لغات طب	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور
۲۴۔	ڈارلینڈ، اسٹیڈمین و کولڈ	مصطلحات طب (انگریزی-اردو)	سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ
۲۵۔		فرہنگ اصطلاحات (انگریزی-اردو) لسانیات	ترقی اردو بیورو، نئی دہلی
۲۶۔		فرہنگ اصطلاحات نباتیات	"

۵۔ نستعلیق عبارت میں اعراب لگانا دشوار ہے۔

ان پیج اردو کتابت کا ایک مقبول پروگرام ہے، جس کو بہت سے طباعتی ادارے استعمال کرتے ہیں۔ نستعلیق میں اعراب لگانا کیوں دشوار ہے، اس کی تشریح ان پیج کے مینوئل (استعمال نامہ)، ص ۹۵، کے اس اقتباس میں دیکھیے:

اردو زبان میں حرکات و اعراب کا استعمال خط نستعلیق کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ان بیچ میں خط نستعلیق کا استعمال لکچر کے طور پر ہو رہا ہے۔ یعنی اس میں حروف کے مرکب کو اسکین کر کے ڈالا گیا ہے۔ جب آپ کوئی لفظ ٹائپ کرتے ہیں تو ان بیچ اس لفظ کا مرکب اپنی ڈکشنری میں ڈھونڈھتا ہے۔ اگر آپ کی ٹائپنگ صحیح ہوگی اور ڈکشنری سے match (ملتی جلتی) کرتی ہوگی تو وہ لفظ نوری نستعلیق میں آپ کے سامنے ہوگا۔ اگر آپ کی ٹائپنگ غلط ہوگی یا کوئی غیر مانوس لفظ ہوگا یا جو ڈکشنری میں موجود نہیں ہوگا تو نوری نستعلیق کے بدلے ڈیفالٹ فائونٹ نوری کیرکٹر میں آپ کے سامنے ہوگا۔ کسی ایسے لفظ پر جو بغیر حرکات کے نوری نستعلیق میں ہے تو اس میں اگر آپ نے اعراب لگا دیا تو اس کی ہیئت بدل جائے گی اور وہ نوری کیرکٹر میں دکھائی دے گا۔

صرف ان الفاظ کے ساتھ جو واحد ہیں یعنی وہ لکچر کسی اور لکچر سے مل کر لفظ کو مکمل نہیں کرتا ہے تو اس میں بقدر ضرورت تشدید، کھڑا زبر یا الٹا پیش وغیرہ لگا ہوتا ہے۔ جسے ٹائپ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ کچھ ایسے بھی الفاظ ہیں جو واحد ہیں یعنی وہ لکچر کسی اور لکچر سے مل کر لفظ کو مکمل نہیں کرتے ہیں پھر بھی اس میں حرکات دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کی فہرست مینول میں ”ان بیچ اردو کے چند خاص رموز“ کے نام سے فراہم کر دی گئی ہے۔ لہذا اس کو اسی ترتیب میں ٹائپ کریں جس ترتیب میں بتایا گیا ہے۔ ٹائپنگ میں ان باتوں کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔

پروگرام آپ کو یہ تنبیہ کر رہا ہے: دیکھو، اس کا فیصلہ تم خود نہ کرو کہ کہاں پر اعراب لگائے جائیں اور کہاں نہیں لگائے جائیں، بلکہ یہ فیصلہ تم سوفٹ ویئر پر چھوڑ دو۔ بصورتِ دیگر نتائج برے ہوں گے، اور جو تباہی پیش آئے گی اس کے ذمہ دار تم اور صرف تم ہو گے۔

برے نتائج بھلا کیا ہیں؟ اعراب سے نستعلیق تحریر میں لفظ کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ اور بعض حرکات یا نقطے نظر نہیں آتے یا یہ نہیں پتہ چلتا کہ حرکت کس حرف پر ہے۔ نسخ تحریر میں ہر حرف کے اوپر سے نیچے تک پھیلی ہوئی عمودی پٹی بلا شرکتِ غیرے اسی ایک حرف کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ اس لیے اس پٹی میں کہیں بھی لگا ہوا نشان اسی حرف کے لیے ہوتا ہے۔ نستعلیق میں اکثر کئی حرفوں کے لیے ایک ہی مشترک عمودی پٹی ہوتی ہے۔ اس لیے اس پٹی میں پڑنے والے نقطے، اعراب وغیرہ کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے کہ اس کا تعلق کس حرف سے ہے۔ مثلاً:

سَنِچَر سَنِچَر سَنِچَر
سَنِچَر سَنِچَر سَنِچَر

گویا جو رسم دوسری زبانوں میں نہ صرف مضحکہ خیز بلکہ دیوانہ پن کی حد تک غیر عقلی سمجھی جائے گی، اردو داں اپنی زبان کے لیے اسی رسم پر اصرار کرتے ہیں!

الفاظ کے بیچ میں خالی جگہ نہ ہونے سے عبارت کو پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل مثالیں مزاحیہ اور مصنوعی ہیں۔ لیکن اردو سیکھنے والے بچوں اور غیر اردو داں طالب علموں کو ایسے مسائل اردو کی ہر عبارت میں نظر آتے ہیں۔

شناختی کاڑ کے لحاظ سے وہ چور اسی سال کا تھا۔

(’وہ چور اسی سال کا تھا‘ یا ’وہ چور اسی سال کا تھا‘؟)

دوسروں کی کہانی۔

(’دوسروں کی کہانی‘ یا ’دو سُرّوں کی کہانی‘ یا

’دو سُرّوں کی کہانی‘؟)

جمالو ہار گیا۔

(’جمالو ہار گیا‘ یا ’جمّا لو ہار گیا‘؟)

خیال رہے کہ اردو لفظوں میں بعض حروف (مثلاً ا، د، ر، و، ے) اگلے حرف میں نہیں جوڑے جاتے بلکہ ان سے علیحدہ لکھے جاتے ہیں، جب کہ دوسرے حروف (مثلاً ب، ج، س، ص، ط، وغیرہ) اگلے حرف میں جڑ جاتے ہیں۔ اس لیے عربی رسم الخط میں (بقیہ مانوس رسوم الخط کے برخلاف) اکثر و بیشتر الفاظ ایک متصل شکل نہیں بناتے بلکہ کئی علیحدہ علیحدہ متصل حصّوں میں ہوتے ہیں۔ اس لیے اردو عبارت کو الفاظ میں توڑنا ویسے ہی مشکل کام ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ’درخواست‘ پانچ مختلف متصل شکلوں میں ہے، یعنی ’د‘۔ ’ر‘۔ ’خو‘۔ ’ا‘۔ ’ست‘۔ پڑھنے والا کیسے فیصلہ کرے کہ لفظ کیا ہے۔ لفظ میں کم از کم دو حروف چاہئیں، اس لیے ’د‘ کو لفظ نہیں کہہ سکتے۔ پھر بھی یہاں کس کو لفظ گنیں؟۔ ’در‘، ’درخو‘، ’درخوا‘، یا ’درخواست‘؟ الفاظ کے بیچ میں جگہ چھوڑنے سے ذرا مدد ملتی ہے (کیوں کہ کم از کم جو حروف ’درخواست‘ سے پہلے یا بعد میں

آ رہے ہیں وہ زیرِ تلاش لفظ کا حصّہ نہیں ہیں۔) لیکن نئے نستعلیق طرز میں سہارے کی اس ذرا سی رسی کو بھی توڑ دیا گیا ہے۔ اس لیے اب یہ فیصلہ اور مشکل ہو گیا ہے کہ عبارت میں کون سا لفظ کہاں شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے۔

اردو کے عام قارئین نستعلیق طباعت میں الفاظ کو صرف اس وجہ سے علیحدہ کرنے پر قادر ہیں کہ برسوں کی مشق کے بعد ان کو الفاظ کی شکلیں یاد ہو جاتی ہیں، اس لیے انہیں عبارت کے حرف بہ حرف تجزیے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن وقت اور محنت اور حافظے کا اتنا صرفہ اردو دانوں کی آئندہ نسلوں اور غیر اردو داں طالب علموں کے لیے ممکن نہیں رہے گا، اس لیے اردو سیکھنے کا شوق کم سے کم ہوتا جائے گا۔ □